اسلام اور ضبط ولادت

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ ونتوکل علیه. و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئاٰت اعمالنا. و نشھدان لا اله الا اللّٰہ و نشهد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ و صلی آللّٰہ علیه و علی الهٖ و اصحابهٖ اجمعین. اما بعده فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم و ما من ادابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقها ویعلم مستقرها و مستودعها الأیة نحن نرزقک. الخ الآیة.

اس مضمون میں ہم چند عنوانات کے تحت گفتگو کریں گے۔

اول آبادی کے بارے میں نظریات اوران کا تنقیدی جائزہ۔

دوم ضبط ولادت کے حق میں دیگر پہلوؤں سے دلائل اوران کا تجزیہ۔

سوم تاریخ تحریک ضبط ولادت۔ چہارم ضبط ولادت کی شرعی حیثیت۔

علم معاشیات اور آبادی کے نظریات

اگرچہ معاشیات آبادی کی کفالت کرتی ہے لیکن آبادی بھی ایک اعتبار سے معاشیات کے لئے کفیل ہے۔ ایک طرف اگر معاشیات کا مقصد لوگوں کی متاع وخدمات کی ضرورتوں کی مہم رسائی ہے تو دوسری طرف آبادی بھی معاشیات کی پیداواری گنجائش میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے عمل معاشیات میں آبادی کے بارے میں مطالعہ کو اہم مقام حاصل ہے اورعلم معاشیات میں دو معروف نظریات ملتے ہیں۔ نظریہ مالتھس اور مناسب ترین آبادی کا نظریہ۔

نظریہ مالتھس Malthusian theory

ٹامس رابرٹ مالتھس نے 1798ء میں اپنا ایک مضمون Population

Essay on Principle (قانون آبادی پر مقالہ) لکھا اور 1803ء میں اس کے طبع جدید کے وقت اپنے نتائج میں کچھ ترمیم بھی کی۔ انگلستان کی انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اور Poor Law سے وہ رنجیدہ خاطر تھا اور اس کو اندیشہ تھا کہ انگلستان تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے اس وجہ سے اس نے اپنے ہموطنوں کو اس سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔ اس کا نظریہ مندرجہ ذیل چار نکات پر مشتمل ہے۔

1- غذا حیات انسانی کے لئے ناگزیر ہے اور اس لئے وہ آبادی پر ایک مضبوط رکاوٹ عائد کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر آبادی کی تحدید کا دارومدار غذا کے ذرائع پر ہے۔ جتنی زیادہ غذائی پیداوار ہوگی اتنی ہی زیادہ تعداد میں آبادی کی کفالت ہوسکتی ہے جب کہ افلاس اور اور غذا کی کمی کی وجہ سے اموات زیادہ ہوتی ہیں اور یوں وہ آبادی کو محدود کرتی ہیں۔

2- انسانی آبادی کے بڑھنے کی رفتار غذائی پیداوار کی رفتار سے زیادہ ہے۔ آبادی (Geometric ratio) سے بڑھتی ہے جب کہ غذائی پیداوار میں اضافہ (Airthematic ratio) سے ہوتا ہے۔ مالتھس کا خیال تھا کہ قانون تقلیل حاصل (Law of Diminshing Returns) زراعتی میدان میں بھی جاری ہے۔ (مارشل نے اس قانون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے شعبہ زراعت میں اگر کاشت کرتے وقت محنت اور سرمایہ کی اکائیاں کسی خاص تناسب سے بڑھاتے جائیں تو زمین کی پیداوار میں اضافہ اس تناسب سے کم ہوگا بشرطیکہ فن کاشتکاری میں کوئی انقلاب نہ آئے۔ ڈاکٹر مارشل کے بعد زمانہ جدید کے ماہرین معاشیات نے اس قانون کا عاملین پیدائش کی اشتراک کی بناء پر اس طرح واضح کیا ہے۔'' جب ہم ایک معین عامل پیدائش (یعنی زمین کو ایک یا ایکسے زائد متغیر عاملین پیدائش (یعنی محنت اور سرمایہ) سیبا ہم ملا دیں تو اس متغیر عامل پیدائش کی وجہ سے اوسط اور محستم حاصل یا پیداوار خاص نقطے کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔) اور قانون کا عمل غذائی رسد میں اضافہ پر تحدید کا باعث ہے۔ مالتھس خود لکھتا ہے:

اضافہ کی ان دو مختلف رفتاروں کو جب اکٹھا دیکھا جائے تو ضروری نتائج انتہائی خوب واضح ہیں۔ ہم جزیرہ انگلستان کی آبادی گیارہ ملین مان لیتے ہیں اور فرض کئے لیتے ہیں کہ موجودہ پیداوار اس تعداد کے لئے کافی ہے۔ پہلے پچیس سال میں آباد بائیس ملین ہوگی اور غذا

بھی دوگنا ہو جائیگی۔تو غذائی ذرائع آبادی میں اضافہ کے لئے کافی ہوں گے۔اگلے پچیس سالوں میں آبادی چوالیس ملین ہو جائیگی جب کہ غذائی ذرائع صرف اتنے ہونگے کہ تینتس ملین کے لئے کافی ہوں اس سے اگلے ربع میں آبادی اٹھاسی ملین ہوگی جب کہ اس میں سے صرف نصف کے لئے غذا مہیا ہو سکے گی اور ایک صدی پوری ہونے پر آبادی ایک سو چھیتر ملین ہوگی دراں حالیکہ ان میں سے صرف پچپن ملین افراد کو غذا مل سکے گی اور بقیہ ایک سو اکیس ملین افراد بغیر غذا کے رہ جائیں گے۔

پورے کرہ ارض کو مدنظر رکھیں اور موجود آبادی کو ہزار ملین فرض کر لیں تو نوع انسانی میں اضافہ ان اعداد پر ہوگا۔ 1-2-4-16-32-64-128-252 جب کہ غذا میں اضافہ ان اعداد پر ہوگا 1-2-3-4-5-6-7-8-9 دو صدیوں میں غذا بس اتنی ہوگی کہ ہر دو سو چھپن افراد میں سے صرف نو کے لئے کافی ہو سکے گی اور تیسری صدی پر ہر چا سو چھیانوے افراد میں سے صرف تیرہ افراد کے لئے اور دو ہزار سال میں یہ تفاوت اتنا زیادہ ہوگا کہ شمار سے باہر ہوگا۔

3- غذائی ذرائع میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافہ بھی ضرور ہوتا ہے الا یہ کہ ظاہر وقوی موانع رکاوٹ پیدا کریں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ملک کی غذائی رسد میں اضافہ ہوتا ہے تو لوگ زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں اور زیادہ بڑے کنبے وجود میں آتے ہیں۔اس کی وجہ سے غذا کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور فی کس غذا کا حصول دوبارہ کم ہو جاتا ہے۔غرض مالتھس کے نزدیک لوگوں کا معیار زندگی اس وقت تک مستقل طور پر بلند نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ کنبہ کی تعداد پر کچھ پابندیاں اور حدیں قائم نہ کریں۔

4- ایجابی اور انسدادی مانعات موجود ہیں جو کہ آبادی کو ذرائع بقا کی سطح پر رکھتے ہیں۔

مالتھس نے بتایا کہ دو قسم کے موانع آبادی میں اضافہ کو روکتے ہیں۔انسدادی مانعات (Preventive Cheeks) ان کا اثر شرح پیدائش کو کم کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ آدمی بڑے کنبوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں خود اس میں مبتلا ہو کر وہ بچوں کو معیاری تعلیم اور خوراک مہیا نہ کر سکے ان انسدادی مانعات کو خود

اختیار کرتا ہے۔اس میں دیر سے شادی کرنا اور شادی کے بعد اپنے اوپر کچھ قدغنیں لگانا شامل ہے۔

ایجابی مانعات .Positive checks : یہ شرح اموات کو بڑھا کر آبادی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسدادی مانعات کے برعکس یہ قدرت کی جانب سے ہوتے ہیں اور ان میں بری عادتیں۔غربت، غیر صحت مند پیشے، بچوں کی ناقص تربیت، وبائیں، جنگیں اور قحط شامل ہیں۔

مالتھس نے مشورہ دیا کہ آنے والے برے مستقبل سے بچنے کے لئے انسدادی مانعات کو اختیار کیا جائے ورنہ بصورت دیگر ایجابی مانعات اپنا عمل شروع کر دیں گے جس کے نتیجے میں پھر اتنی ہی آبادی باقی رہ جائے گی جتنی کہ غذائی رسد کے مطابق ہو۔

اپنی کتاب کی پہلی طباعت میں مالتھس نے ایجابی مانعات پر بڑا زور دیا ہے لیکن اگلی طباعتوں میں اپنے نظریے کی اس سختی کو خود نرم کر دیا اور انسدادی مانعات کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ اپنے مایوس کن نظریہ قائم رہا لوگوں میں جنسی شہوت کے قوی ہونے کی لیکن وجہ سے مالتھس کو امید نہ تھی کہ لوگ از خود شادی بڑی عمر میں کریں گے اور اپنے اوپر قدغنیں عائد کریں گے۔ بعد میں مالتھس نے اضافہ کی Arithematic & Geometric Ratios کی تعبیر کو بھی چھوڑ دیا لیکن آبادی و غذا کا مسئلہ پھر بھی اس کی نظر میں برقرار رہا۔

مالتھس کے نظریے پر تنقید

1- مالتھس کے مایوس کن نتائج کی مغربی یورپ کی تاریخ نے تصدیق نہیں کی۔ جب کہ آبادی میں اضافہ اس رفتار سے نہیں ہوا جس کی پیش گوئی مالتھس نے کی تھی غذائی رسد میں ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی کی بدولت کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔اور اس وجہ سے مالتھس کے خیال کے برعکس لوگوں کا معیار زندگی بجائے گرنے کے بلند ہوا ہے۔

2- مالتھس کا نظریہ آبادی قانون تقلیل حاصل یعنی Law of Diminshing Returus پر مبنی ہے۔اسی قانون کی بنیاد پر اس کو یقین تھا کہ غذائی

پیداوار بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ لیکن ٹیکنالوجی کی ترقی اور سرمایہ کے وسیع استعمال سے پیداوار والے ممالک نے تقلیل حاصل کے مرحلے کو مؤخر کر دیا ہے۔ مصنوعی کھاد بہتر بیج، ٹریکٹر اور دیگر زراعتی مشینوں کے استعمال سے پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے اور اب حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں غذائی پیداوار میں اضافہ کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے بہت زیادہ ہے۔

3- مالتھس نے صرف غذائی پیداواریت کو تو ملحوظ رکھا لیکن دولت کی پیداواریت کی تمام شکلوں کو نظر انداز کر دیا۔ انگلستان میں اراضی اور غذا کی قلت ضرور محسوس کی جاتی تھی لیکن مزعومہ مصائب کا تصور صرف اس وقت ہو سکتا تھا جب انگلستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے صرف وہی کی اراضی سے حاصل شدہ غذا کو پیش نظر رکھا جاتا اور اس کے دیگر قدرتی وسائل مثلاً کوئلہ اور لوہے سے مثلاً مشینیں اور اوزار اور جہاز اور ریلیں وغیرہ بنا کر ان کے برآمد کرنے کو اور ان کے عوض میں غذائی اجناس درآمد کرنے کو نظر انداز کر دیا جاتا۔

4- مالتھس کا خیال تھا کہ غذائی رسد میں اضافہ کی وجہ سے آبادی میں اضافہ اس تیزی سے ہوگا کہ ہر فرد کو بس اتنی غذا حاصل ہو سکے گی جس سے وہ صرف اپنی زندگی برقرار رکھ سکے۔ مالتھس کے خیال کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی دنیا کے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا اور قوت لایموت کی سطح سے بہت اونچا ہوا۔ لیکن جوں جوں خوشحالی بڑھتی گئی بچوں کے بارے میں وہاں کے لوگوں کی سوچ بدلتی گئی، پہلے بچوں کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی لیکن اب والدین اس حد تک سوچتے ہیں کہ زیادہ بچے نہیں ہونے چاہئیں تاکہ جو بچے فی الحال ہیں ان پر پوری توجہ دی جا سکے۔ بچوں کی جانب سے رویئے میں تبدیلی اور مانع حمل تدابیر کا اختیار کرنا مالتھس کے عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

5- مالتھس نے اگرچہ اپنی کتاب کی بعد کی طباعتوں میں آبادی و غذا میں اضافہ کی Geometric & Arithematie Ratios کی تعبیر کو ترک کر دیا تھا لیکن شروع میں بھی اس نے ان شرحوں کے وجود پر کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آبادی اور غذائی رسد میں اضافہ ان شرحوں کے مطابق نہیں ہوتا۔

دلچسپی کے لئے ہم یہاں چند ماہرین معاشیات کے خیالات پیش کرتے ہیں۔

کنگزلے ڈیوس (Kings Ley Davis) نے Scientifie American میں آبادی میں اضافہ اوراس کے انجام کا اندازہ یوں ظاہر کیا:

''ہم اب دیکھ سکتے ہیں کہ تمام جدید اقوام میں قلت مرگ، نسبتاً تیز شرح ولادت اور آبادی میں سست اضافہ کی طرف طویل مدتی میلان ہے۔ یہ ایک مستعد Demographic نظام ہے جوان جیسے ممالک کو باوجودان کی ترقی کے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ معاشی میدان میں مؤثر رفتار کے ساتھ ترقی کرتے رہیں۔''

Chapter4- The geometry of hunger by D.S.)

halacy 1972 اس قانون کی جو تعریف پروفیسر نہم کے کی ہے وہ یوں ہے۔ جب عاملین پیدائش کے کسی مجموعہ میں سے کسی ایک عامل کا تناسب بڑھ جاتا ہے تو ایک خاص حد تک اس عامل کی پیداوار محستم بڑھتی جاتی ہے۔'')

کولن کلارک (Colin Clarke) قانون تکثیر حاصل Law of Inereasing Returns کا حوالہ دیتے ہوئے بتاتا ہے کہ کسی قوم کا آبادی کے اعتبار سے چھوٹا رہ جانا یا چھوٹا ہو جانا حقیقت میں اس کے لئے تباہ کن ہے۔ فرانس نے اختیاری طور پر اپنی آبادی کو کم کیا جس پر اس کو خود ہی افسوس کرنا پڑا۔ اپنی کتاب (Population Growth & land use میں وہ برقمطراز ہے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ 1798ء امیں جب مالتھس آبادی کے اصولوں پر اپنی کتاب تصنیف کر رہا تھا اور جب جینر نے ویکسین Vaccine تیار کی تھی (جس کا مغربی یورپ میں آبادی میں اضافہ سے تعلق کسی دوسری دریافت کی نسبت بہت زیادہ تھا) نپولین کامیابی کے ساتھ مصر پر یلغار کر رہا تھا اور فرانس تقریباً تمام دنیا کو سرنگوں کرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ مالتھس کے اپنے ہم وطنوں نے اس کا اتباع بہت عرصے تک نہیں کیا البتہ فرانسیسیوں نے کیا اور اب ہر فرانسیسی کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ دنیا میں اس کے ملک کے اثر ورسوخ کے زوال کی بڑی وجہ آبادی میں اضافہ کی نسبتاً کم شرح تھی۔

Colin Clarke ابن خلدون کا حوالہ دیتا ہے جنہوں نے چودھویں صدی میں تحریر کیا۔

”فرد اپنی ضروریات کو تنہا پورا نہیں کر سکتا اور اس کے لئے اس پر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ تعاون ناگزیر ہے۔ غذا صرف ایک شخص کی کوششوں سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر شخص اپنی ضرورت کی ہر چیز کو خود پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی پیداوار میں چھ یا دس افراد مثلاً لوہا، بڑھئی مزدور وغیرہ ایک دوسرے سے تعاون و اشتراک کرتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو یہ مشترکہ طور پر اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ پیداوار کی تحصیل کرتے ہیں لیکن جب تمدن اسراف و تعیش کی حالت کو مع ان کی برائیوں کے پہنچ جاتا ہے تو آبادی پر خود بخود حدود عائد ہو جاتی ہیں۔ ایسے وقت میں تباہ کن قحط وقوع میں آتے ہیں یہ قحط اس وجہ سے نہیں ہوتے کہ زمین بڑھتی ہوئی طلب کا ساتھ نہیں دے سکتی بلکہ ان کا سبب سیاسی انتشار اور ٹیکسوں کا دباؤ ہوتا ہے جو کہ ریاست پر اس کے زمانہ زوال میں حاوی ہو جاتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ایلین ینگ Allyn Young نے ملک کو صنعتی بنانے کے لئے کثیر آبادی کے مفید ہونے پر دلائل دیئے ہیں اور یہ تجویز رکھی ہے کہ انگلستان کی آبادی سو ملین ہونی چاہیئے جو کہ موجودہ آبادی کا دوگنا ہے“۔

1953ء میں آمدنی اور دولت پر تحقیق کی بین الاقوامی انجمن International Association for Research on Income & Wealth میں خطاب کرتے ہوئے Everet Hagen نے کہا کہ بہت گنجان آبادی والے ممالک بنسبت ان ممالک کے جن کی آبادی تھوڑی ہے سرمایہ فی کس فی پیداوار کی اکائی Capital per unit of production کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ آبادی میں تیز رفتار اضافہ ایک قوم کو اس کی منصوبہ بندی کی غلطیوں سے چھٹکارا دلاتا ہے۔

Colin Clarke نے اضافہ آبادی اور استعمال اراضی میں لکھا۔

اس خیال کی بنیاد پر جس کو ابتداء میں خود مالتھس نے پروان چڑھایا ہم مالتھس کے اپنے ہی پیش کردہ بیان سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بہت سے اوقات میں آبادی بہت کم ہوتی ہے اور اس میں اضافہ کی رفتار بھی کم ہوتی ہے۔ لیکن ایک وقت ضرور آتا ہے جب کہ اس وقت اور اس علاقہ کے ذرائع خوراک پر آبادی کے غالب ہونے کے خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ اس وقت آبادی میں اضافہ خود بخود وہ ضروری محرک پیدا کر دیتا ہے جو ایک آبادی کو

پیداوار کے رائج طریقے بدلنے یا زیادہ پیداواری طریقوں کو اپنانے پر ابھارتا ہے اور اس طرح سے بڑی آبادی کی کفالت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

الفریڈ سووی Alfred Sauvy نے آبادی گھٹانے کے لئے 1954ء میں World population Conference میں یوں استدلال کیا۔

"اگر آبادی کی تجدید معاشی ترقی کی کنجی ہے تو فرانس پھر دنیا کا امیر ترین ملک ہوتا کیونکہ اس نے ایک طویل عرصے تک اس پر عمل کیا ہے"۔

نیز وہ اپنی کتاب "آبادی کا نظریہ عمومی Geperal theony of Popalation میں لکھتا ہے۔

مؤرخ ہمیں آبادی میں اضافہ کے منجمد ہونے یا آبادی کے گھٹنے کی کوئی ایسی مثال نہیں دے سکتا جس کے نتائج خوش کن ہوئے ہوں۔

نظریہ ارتقاء والے ڈارون کا پوتا Charles Gatton Darwin کہتا ہے۔

آبادی کا جدید نظریہ

مناسب ترین آبادی کا نظریہ Mopir8 hnory of populahon optmumtheory جدید ماہرین معاشیات نے مالتھس کا نظریہ آبادی مسترد کر دیا اور اس کی جگہ پر مناسب آبادی کا نظریہ سامنے لائے۔ مناسب آبادی سے مراد آبادی کی وہ تعداد ہے جو ایک ملک کی اس کے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہونی چاہئے۔ وسائل کی ایک متعین مقدار، تیکنیکی علم کی موجودگی اور سرمایہ...... کی ایک مقررہ مقدار کے ہوتے ہوئے آبادی کی ایک متعین تعداد ایسی ہو گی جس میں فی کس آمدنی و خدمات سب سے زیادہ ہوں۔ یہی مناسب تعداد ہے۔ غرض مناسب تعداد کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ تعداد ہے جس میں فی کس آمدنی سب سے زیادہ ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ۔

قلت آبادی کے نقصانات

اگر کسی ملک کی آبادی اس کی مناسب تعداد سے کم ہو تو وہ کم آبادی والا ملک ہے کیونکہ

یہ تعداد اتنی نہیں کہ وہ ملک کے قدرتی وسائل اور سرمایہ کے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔ یہ صورتحال ایک نئے ملک میں دیکھنے میں آتی ہے جہاں وسائل کثیر ہوتے ہیں اور بہت کچھ پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن افرادی قوت کی کمی کی وجہ سے پیداواریت کا کام احسن طریقہ پر نہیں ہوسکتا۔

مزید برآں ایک اور نقصان مہارت کی کمی کا ہوتا ہے۔ مہارت کی وجہ سے کارکن اپنے کام میں پختگی اور ترقی یافتہ اوزاروں کو استعمال کرنے کا اچھا اور نفع بخش سلیقہ حاصل کر لیتے ہیں جس سے پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مہارت کی کمی کی وجہ سے بڑے پیمانے پر پیداوار حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان حالات میں آبادی میں اضافہ سے فی کس آمدنی بڑھے گی لیکن یہ اضافہ غیر محدود نہیں بلکہ ایک مناسب حد تک ہی ہونا چاہیئے۔

کثرت آبادی کے خطرات

اور اگر آبادی مناسب تعداد سے تجاوز کر جائے تو کثرت آبادی کی حالت پیدا ہو جائے گی جس میں وسائل کی کمی ہر شخص کو روزگار مہیا ہونے میں رکاوٹ بنے گی۔ اوسط پیداواریت کم ہوتی جائے گی اور نتیجتاً فی کس آمدنی کم ہو گی اور معیار زندگی گر جائے گا۔ جنگ، بیماری اور قحط سالی بھی ان ہی لوگوں کی راہ دیکھتی ہیں۔

کثرت آبادی کے خطرات کو اس صورت میں ٹالا جا سکتا ہے کہ سرمایہ کی رسد کو بڑھایا جائے۔

مناسب تعداد

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک ملک کے قدرتی وسائل، مشینری اور اس کی ٹیکنالوجی کی کیفیت یہ سب مقرر ہیں۔ پھر ہم فرض کرتے ہیں۔ کہ اس کی آبادی جو پہلے ان وسائل کے تناسب سے بہت تھوڑی تھی اب بڑھنے لگتی ہے۔ آبادی میں اضافہ کے ساتھ افرادی قوت اور Labour Force بڑھنے لگتی ہے۔ جیسے جیسے افرادی قوت اس میں

شامل ہوتی جائے گی فی کس قیداوار اور نتیجتاً فی کس آمدنی بڑھتی۔ جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ افرادی قوت میں اضافہ سے مہارت کا درجہ بلند ہوگا اور قدرتی اور سرمایہ کے وسائل کا بہتر استعمال ہو سکے گا۔ کمتر افرادی قوت کی وجہ سے مہارت کا میدان مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ ہر کارکن کو ہر قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں لیکن جوں جوں افرادی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور فنی مہارت ممکن ہوتی ہے ہر شخص کو ہر قسم کے کام نہیں کرنے پڑتے لہٰذا وہ اپنے مناسب وموزوں کام میں پوری توجہ دے سکتے ہیں۔ مختلف کارکنوں میں مختلف کاموں کی تقسیم سے کارکن کی استعداد میں اور انجام کار پیداواریت میں اضافہ ہوتا ہے۔

2- آبادی میں اضافہ قدرتی وسائل اور مشینری کے پورے پورے استعمال کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اگر آبادی کم ہو تو بالفضل مہیا وسائل بھی پورے طور پر بروئے کار نہیں آتے۔

3- ایک اور عامل (Factor) بھی ہے جس کی بناء پر ابتدائی مراحل میں جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے پیداواریت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر کسی ملک کی آبادی کم ہو تو اس ملک کی قواردار کی منڈی بھی چھوٹی ہوگی اور نتیجتاً Praducer اس بات پر مجبور ہوں گے کہ چھوٹے پیمانے پر پیداوار نکالیں اور اس طرح وہ وسیع پیمانے کی پیداواریت کے معاشی فوائد سے محروم رہیں گے۔ اب جوں جوں آبادی بڑھے گی منڈی بھی وسیع ہوتی جائے گی اور وسیع پیمانے پر پیداوار بھی ممکن ہوگی۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر آبادی میں اضافہ سے فی کس آمدنی بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک حد پر آ کر یہ فی کس آمدنی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اگر آبادی اس حد سے تجاوز کر جائے تو فی کس آمدنی گھٹنے لگتی ہے کیونکہ مقررہ سرمایہ اور قدرتی وسائل میں نسبتاً زیادہ تعداد میں کارکن شریک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کے حصہ میں ان کا چھوٹا حصہ آیا۔ اس بنا پر اوسط

پیداواریت بھی گھٹتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کو روزگار نہ ملے اور وہ پیداواریت میں کچھ حصہ نہ ڈال سکیں۔ پس مزدوری (Labour) میں بے روزگاری پیدا ہوتی ہے۔ اور جب یہ صورت ہو جائے تو زیادہ لوگ زراعت گے اور زراعتی زمین پر آبادی کا دباؤ بڑھ جائے گا لیکن یہ زائد افراد کل پیداوار میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے۔ بالفاظ دیگر ان زائد افراد کی مختتم پیداوار Marginal Productivity صفر یا صفر کے قریب ہو گی۔ اسی کو عام طور پر مخفی بے روزگاری کہا جاتا ہے۔

جدید نظریہ پر تنقید

مناسب حد متعین نہیں

بلکہ لچکدار اور متبدل ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار وسائل اور ٹیکنالوجی پر ہے۔ اور سرمایہ اور قدرتی وسائل کی مقدار نا ور ٹیکنالوجی کی حالت بدلتی رہتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں تبدیلی کثیر الوقوع ہے۔ اور جب بھی ان میں تبدیلی آئے گی مناسب حد بھی بدلے گی۔

کثرت آبادی کا معیار

مختلف معیار پیش کیئے گئے ہیں۔ مالتھس کے نزدیک ایجابی مانعات کا عمل مثلاً جنگ، قحط اور بیماری ملک کی کثرت آبادی کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین معاشیات کچھ اور علامتیں بھی تجویز کرتے ہیں مثلاً مستقل طور پر غیر متوزان تجارت، بے روزگاری، گرتا ہوا معیار زندگی، گرتی ہوئی اوسط آمدنی، بلند شرح پیدائش اور بلند شرح اموات۔ لیکن کچھ غور و فکر سے معلوم ہو گا کہ یہ سب امور صرف آبادی کی کثرت کی بناء پر ہی نہیں ہوتے بلکہ معاشی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے بھی واقع ہوتے ہیں مثلاً غیر متوزان تجارت بیرون ملک کثیر سرمایہ کاری کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اوسط آمدنی کا گرنا اور نتیجتاً معیار زندگی کا گرنا ریاست کی ناقص معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ اونچی شرح پیدائش وسعت پذیر معاشیات یا وسعت پذیر فوج کی ضروریات کی بناء پر ہوسکتی ہے اور اسی طرح بلند شرح اموات کا سبب صحت کا ناقص نظام ہوسکتا ہے۔

غرض کثرت آبادی کے معیار پر کوئی حتمی رہنمائی پیش نہیں کی جاسکتی۔

نظریہ کے نقائص

(الف) یہ تقریباً ناممکن ہے کہ آبادی کی کوئی ایسی حد مقرر کی جا سکے جو مناسب کہی جا سکے۔ ماہرین نے مختلف اور متضاد اعداد پیش کئے ہیں جو اس کی نظریہ کی عملی افادیت کا انکار کرتے ہیں۔

(ب) اس نظریہ کا دارومدار قدرتی وسائل، مشینری اور ٹیکنالوجی کی حالت پر ہے۔ اور اس بات کو فرض کرنے میں ہے کہ وہ ایک ہی حالت و مقدار میں رہتے ہیں حالانکہ وہ متبدل ہیں اور ان کی وجہ سے مناسب حد ایک مسلسل تبدیل ہونے والا تصور ہے۔ غرض یہ نظریہ غلط مفروضوں پر ملتی ہے۔

(ج) نیز محض آبادی کی تعداد کی اہمیت بہت کم ہے جب کہ عمر کے اعتبار سے اور کام کرنے والے افراد کے اعتبار سے تقسیم زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا اگر چہ آبادی مناسب حد پر بھی ہو لیکن اس میں غیر کارکن مثلاً بچوں اور بوڑھوں کی کثیر تعداد ہو تو معاشیات کی پیداواری صلاحیت پر برا اثر ڈالے گی۔

(د) علاوہ ازیں یہ نظریہ صرف لوگوں کی تعداد پر نظر کرتا ہے ان کے معیار کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ باصلاحیت اور محنتی افراد پر مشتمل ایک چھوٹی آبادی ایسی کثیر آبادی سے زیادہ کارآمد ہے جو سست اور غیر ذمہ دار افراد پر مشتمل ہو۔

(ہ) یہ نظریہ آبادی کے سیاسی، معاشرتی، جنگی اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف معاشی پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ مثلاً معاشی بنیادوں پر ایک چھوٹی آبادی کو تجویز کیا جا سکتا ہے لیکن دفاعی نقطہ نظر سے یہ حد درجہ خطرناک بات ہے۔ ایڈم سمتھ Adam Smith نے بجا طور پر کہا Defence is better than opaleuce. یعنی دفاع امیری سے بہتر ہے۔

(و) مناسب آبادی کا تصور محض ایک نظریاتی دلچسپی کی چیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کثرت آبادی کی صورت میں آبادی گھٹا کر مناسب حد پر لانا اور قلت آبادی کی صورت میں اس کو بڑھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی خواہ وہ آبادی بڑھانے کے لئے

ہو یا گھٹانے کے لئے ایک بڑا طویل اور سست عمل ہے جس میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں۔ حکومتوں کے غیر لچکدار ضابطوں کے بجائے انسان تہذیب و رواج سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ

مناسب آبادی کا نظریہ عملی افادیت سے زیادہ محض نظریاتی و علمی دلچسپی کی چیز ہے۔ ان نظریات اور ان پر ماہرین معاشیات کی جانب سے تنقید اور رد کو معلوم کر لینے کے بعد اب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ نظریات یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان پر کسی واقعی منصوبہ کی اٹھائی عمارت جائے۔ البتہ ایک اشکال باقی رہتا ہے اور وہ یہ کہ مالتھس کا نظریہ اگرچہ امریکہ اور مغربی ورپ میں ناکام ہوگیا لیکن پاکستان اور اس جیسے اور ممالک کے بارے میں اس کے سچے اور مفید ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

اس خیال کی تائید یا تردید کے لئے ہم طوالت میں نہیں جانا چاہتے اور صرف ایک اصولی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کثرت آبادی پر کوئی حتمی معیار اب تک متعین نہیں کیا جا سکا۔ مزید برآں اس مسئلہ میں کلام کی خاصی گنجائش ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ امور جن کا سبب ہم کثرت آبادی قرار دیتے ہیں درحقیقت وہ ناقص معاشی اور معاشرتی پالیسیوں اور مخصوص سیاسی عوامل کے سبب سے ہوں۔

ضبط ولادت کے حق میں دیگر دلائل اور ان کا تجزیہ

اس عنوان کے تحت ہم تحریک وجودیت (Existentialism) کی ایک علمبردار Siraone de beauvoir کی مشہور زمانہ کتاب The secondsex (صنف آخر) کے کچھ اقتباسات پیش کریں۔

”عورت کے بنیادی مسائل میں سے ایک اس کے تولیدی کردار اور پیداواری عمل میں شرکت کے درمیان مصالحت ہے۔ یہ بنیادی حقیقت کہ ابتدائے تاریخ ہی سے عورت خانہ داری میں محصور کی گئی اور تعمیر کائنات میں اپنا کردار ادا کرنے سے روکی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ تولیدی عمل کی وجہ سے وہ محض غلام بن کر رہ گئی تھی۔ مادہ حیوانات میں قدرتی اور موسمی

Rhythm ہوتا ہے جو ان کی توانائیوں کو مجتمع و برقرار رکھنے میں مؤثر ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس عورت میں ابتدائے حیض سے لے کر سن ایاس تک قدرت نے حمل کی تعداد پر کوئی حد نہیں لگائی۔"

"ایک اور عامل بھی ہے جو مرد کو ایک جارحانہ پہلو عطا کرتا ہے اور جنسی وظیفہ کو انتہائی اہم خطرہ بنا دیتا ہے۔ یہ حمل کا خطرہ ہے۔ ایک غیر قانونی بچہ معاشرتی اور معاشی طور پر غیر شادی شدہ عورت کے لئے اتنی بڑی رکاوٹ ہے کہ لڑکیوں کو جب حاملہ ہونے کی حقیقت کا علم ہوتا ہے تو وہ خودکشی کا اقدام بھی کر بیٹھتی ہیں۔ یہ عظیم خطرہ اتنی قوی جنسی پابندی عائد کر دیتا ہے کہ جس کی بناء پر بہت سی نوجوان لڑکیاں قبل از نکاح عفت و پاکدامنی کا دامن تھامے رکھتی ہیں۔ اور جب یہ پابندی اتنی قوی نہ بھی ہو اس وقت بھی نوجوان لڑکی اس دہشت ناک خطرہ سے جو اس کے محبوب کے جسم میں (مادہ منویہ کی صورت میں) مخفی ہوتا ہے۔ خوفزدہ رہتی ہے۔ Sketel نے ایسے مریضوں کے حوالے دیئے ہیں جن میں یہ دہشت شعوری طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور نکاح کی صورت میں بھی وہ اپنی خراب صحت اور معاشی تنگی کی وجہ سے حمل ٹھہرانے سے خوفزدہ ہو سکتی ہے۔

زیادہ یقینی اور کم پیچیدہ مانع حمل تدابیر کی موجودگی عورتوں کی جنسی آزادی کی جانب ایک بڑا قدم ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں یہ طریقے بہت زیادہ معروف ہیں ان نوجوان لڑکیوں کی تعداد جو شادی کے وقت کنواری ہوں فرانس جیسے ملک سے کمتر ہے۔"

"زچگی ہی میں عورت اپنے بدنی وظیفہ کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ اس کا ایک قدرتی تقاضا ہے کیونکہ اس کا پورا جسمانی ڈھانچہ نوع انسانی کے تسلسل کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ لیکن یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ انسانی معاشرے نے اپنے آپ کو بالکلیہ قدرت کے ہاتھوں میں نہیں دے رکھا اور تقریباً ایک صدی سے خاص طور پر تولیدی عمل بھی حیاتیاتی اتفاقات کے رحم و کرم پر نہیں ہے بلکہ یہ انسانوں کے باضابطہ اختیار میں آ چکا ہے۔ بعض ممالک نے سرکاری طور پر مانع حمل سائنسی طریقے اختیار کر لئے ہیں اور وہ اقوام جو کیتھولک اثر کے تحت ہیں ان میں ان کا استعمال خفیہ طریق پر ہو رہا ہے۔ یا تو مرد عزل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں یا عورت وظیفہ جنسی کے فوراً بعد مادہ منویہ سے چھٹکارا پا لیتی ہے۔ یہ مانع حمل طریقے محبت کرنے

والے جوڑوں میں یا شادی شدہ جوڑوں میں بسا اوقات جھگڑے اور رنجش کا باعث بنتے ہیں کیونکہ مرد لذت کے لمحات میں احتیاط کرنا پسند نہیں کرتا اور عورت صفائی کے طریقوں سے گھبراتی ہے۔ اور دونوں اس وقت خوف زدہ ہو جاتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کی احتیاطی تدابیر کے باوجود حمل خطرہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا ہے۔ ایسا اکثر ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں حمل سے مانع طریقے ابتدائی نوعیت کے ہیں۔ اب اس کے بعد ان کے سامنے ایک ہی حل ہوتا ہے یعنی اسقاط...... ایسے موضوعات کم ہی ہوں گے جن میں پورزوا معاشرہ اس سے زیادہ منافقت کا مظاہرہ کرتا ہو۔ اسقاط کو ایک باغیانہ جرم سمجھا جاتا ہے اور اس کا ذکر بھی غیر شائستگی میں شمار ہوتا ہے۔ ایک مصنف کے لئے زچگی میں عورت کی مسرت اور مصائب کو بیان کرنا نا بالکل جائز سمجھا جاتا ہے لیکن وہی مصنف اسقاط کے کسی کیس کو ذکر کرے تو اس پر گندگی میں لوٹنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

اب فرانس میں تقریباً اتنی ہی تعداد میں اسقاط کرائے جاتے ہیں جتنی ولادتیں ہوتی ہیں ....اسقاط کو قانونی جواز دینے کے خلاف جو دلائل دیئے گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی اور بات نامعقول نہیں ہوسکتی۔ یہ کہا گیا ہے کہ یہ آپریشن خطرناک ہے لیکن دیانت دار معالج برلن کے ادارہ جنسی تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر Magnus Hirschield کے ساتھ متفق ہیں کہ اگر یہ آپریشن ہسپتال میں ضروری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ماہر ہاتھوں سے ہو تو ان عظیم خطرات کا متحمل نہیں ہوتا جو قانون تعزیر میں مذکور ہیں۔ اس کے برخلاف جو چیز اس کو عورتوں کے لئے انتہائی خطرناک بنا دیتی ہے وہ اس کا موجودہ حالت میں کیا جانا ہے۔ اسقاط کرنے والوں کی مہارت کا فقدان اور ناگفتہ بہ حالات جن میں یہ کیا جانا ہے بہت سے حوادث کو جنم دیتا ہے جن میں سے بعض مہلک بھی ہوتے ہیں۔

زبردستی کی زچگی دینا میں ایسے خستہ حال بچوں کو لانے کا موجب ہے جن کے والدین ان کی کفالت سے معذور ہوتے ہیں اور نتیجتاً بچے عوامی بہبود کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بات کی نشان دہی ضروری ہے کہ ہمارا معاشرہ جو ایک جنین کے حقوق کی مدافعت میں بہت پیش پیش ہے اس وقت کسی قسم کی دلچسپی اور سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرتا جب وہ بچے دنیا میں آ جائیں۔ یہ اسقاط کرنے والوں پر تو مقدمہ چلاتا ہے لیکن کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اس

بدنام ادارہ کی جو کہ عوامی تعاون کے نام سے معروف ہے اصلاح ہو سکے۔ جو لوگ بچوں کو موزیوں کے سپرد کرنے کے ذمہ دار ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف اس بات کا اعتراف نہیں کیا جاتا کہ جنین اس عورت کی ملکیت ہے جو اس کو اٹھائے پھر رہی ہے جب کہ دوسری طرف اس بات پر اتفقا ہے کہ بچہ اس کے والدین کا مملوک ہے اور ان کے رحم وکرم پر ہے۔ حال ہی میں ہم نے دیکھا کہ اسقاط کرنے پر مقدمہ کیے جانے کی وجہ سے ایک سرجن خودکشی کرنے پر مجبور ہوا جب کہ ایک باپ کو جس نے اپنے بیٹے کو مار مار کر موت کے قریب پہنچا دیا تھا تین ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی اور وہ بھی معطل کر دی گئی۔ ایک باپ نے عدم نگہداشت کی وجہ سے اپنے بیٹے کو گلے کی تکلیف کی وجہ سے موت کے حوالے کر دیا۔ ایک بچی کو چند بچوں نے پتھر مار کر زخمی کر دیا تھا لیکن ماں نے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کی ماتحتی میں دیتے ہوئے ڈاکٹر کو بلانے سے انکار کر دیا۔ اور جب چند صحافیوں نے برہمی کا اظہار کیا تو بہت سے معزز لوگ احتجاج پر اتر آئے کہ بچے ان کے والدین کے ہیں اور بیرون عناصر کو کسی مداخلت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مطبوعہ رپورٹوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اس رویہ کی وجہ سے ایک ملین فرانسیسی بچے جسمانی و اخلاقی خطرے سے دو چار ہیں۔ شمالی افریقہ کی عرب خواتین اسقاط نہیں کرا سکتیں اور ان کے ہر دس میں سے سات آٹھ بچے مر جاتے ہیں لیکن کسی کو کوئی تشویش نہیں ہوتی کیونکہ حمل کی یہ قابل رحم اور نامعقول کثرت ان کے مادرانہ جذبات کو کچل دیتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ اخلاقیات میں سے ہے تو اس اخلاقیات کے بارے میں کوئی کیا کہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ مرد جو جنین کی حیات کے بارے میں مبالغہ کی حد تک جنگ کے موقع پر احترام کا احساس بالغوں کو بھر پور جوش کے ساتھ قتل کرتے ہیں۔

اسقاط کے خلاف جو عملی خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ بالکل بے جان ہیں۔ جہاں تک اخلاقی اعتبارات کا تعلق ہے تو وہ پرانی کیتھولک دلیل پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ پیدائش سے قبل جنین میں روح ہوتی ہے اور اگر اس کی حیات کو بپتسمہ کے بغیر منقطع کر دیا جائے تو بہشت میں اس کا داخلہ نہیں ہو سکتے گا۔ لیکن یہی کلیسا بعض حالات میں بالغوں کو قتل کرنے کی سند عطا کرتا ہے مثلاً جنگ میں اور دیگر قوانین کے تحت یہاں تبسمہ سے نجات مفقود ہے بلکہ

مقدس جنگوں میں ان کافروں و ملحدوں کو جو مساوی طور پر غیر بلتپسمہ شدہ تھے قتل کرنے کیلئے ہمت بڑھائی جاتی ہے۔ بلاشبہ Inquisition (بے دینی کا خاتمہ کرنے والی رومی عدالت) کے شکار اس سے زیادہ مہربان حالت میں نہ تھے جتنا کہ وہ مجرم جنہیں آجکل گلوٹین کے حوالے کر دیا جاتا ہے یا وہ سپاہی جو میدان جنگ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ اب اگر کلیسا ان تمام صورتوں میں معاملہ خدا کی مہربانی کے سپرد کر سکتا ہے (کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ آدمی خدا کے ہاتھوں میں محض ایک آلہ ہے اور روح کی نجات خدا اور روح کے درمیان معاملہ ہے) تو پھر خدا پر جنین کی روح جنت میں قبول کرنے پر کیوں پابندی عائد کی جائے۔ اگر کلیسائی کونسل اس کو سند دے دے تو خدا کو اس سے زیادہ اعتراض نہ ہوگا جتنا کہ ان عظیم الشان ادوار میں ہوگا جب کہ کافروں کو بڑے تقدس کے ساتھ قتل کیا جاتا تھا۔

ان پر جوش اقتباسات میں منع حمل اور اسقاط کے حق میں جو وجوہ پیش کئے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1- بے نکاحی ماؤں اور غیر قانونی بچوں کے مسائل۔

2- ملکی تعمیر و پیداوار میں عورتوں کا اپنا حصہ ادا کرنے سے محرومی۔

3- معاشی تقاضے

4- ماں کی صحت

5- بچوں کی صحیح نگہداشت کا نہ ہو سکنا۔

مذکورہ بالا وجوہ میں سے

پہلی وجہ کا جواب:

بے نکاحی ماؤں اور غیر قانونی بچوں کے مسائل کا یہ حل نکالنا کہ جنسی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کو مانع حمل تدابیر اور اسقاط کا حق دے دیا جائے انتہائی غیر معقول بات ہے۔

آدمی کے اندر جو بھی خواہش رکھی گئی ہے اس کے پیچھے ایک مقصد ہوتا ہے۔ کھانے کی خواہش کے پیچھے بقائے ذات کا مقصد ہے۔ اس کے لئے جو غذا حاصل کرنی ہے وہ قانونی طریقے سے کرے۔ ہر انسانی معاشرہ اس بات کا قائل ہے۔ اسی طرح جنسی خواہش کے پیچھے

جو مقصد ہے وہ بقائے نسل ہے اور بقائے نسل کے لئے ہر ایک انسانی معاشرہ اسی کو پسند کرتا ہے کہ وہ قانونی طریقے سے ہو غیر قانونی طریقے سے نہ ہو۔ قانونی طریقہ نکاح کا ہے۔ کھانے پینے کی وہ چیزیں جو اصل غذا سے زائد اور محض لذت کے لئے ہوں وہ بھی اصل غذا کیغ ساتھ ملحق قرار پاتی ہیں اور ان کو بھی قانونی طریقے سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جنسی خواہش کا وہ درجہ جو محض لذت کے لئے ہو اور بقائے نسل کے مقصد سے زائد ہو وہ بھی اصل غذاء کے ساتھ ملحقہ قرار پاتی ہیں اور ان کو بھی قانونی طریقے سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جنسی خواہش کا وہ درجہ جو محض لذت کے لئے ہو اور بقائے نسل کے مقظد سے زائد ہو وہ بھی اصل مقصد کے ساتھ ملحق ہے اور اس کو بھی صرف نکاح ہی کے ذریعہ پورا کرنا ضروری ہے۔ دونوں خواہشوں میں فرق کرنا بلا دلیل ہے۔ یہاں قانون سے مراد وہ اخلاقی ضابطہ ہے جس کو نسل و مذہب کے اختلاف کے باوجود ہر دور کے مہذب اور متمدن انسانی معاشرے تسلیم کرتے آئے ہیں۔

دوسری وجہ کا جواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ قومی تعمیر و ترقی میں عورتوں کا بڑا بلکہ بنیادی حصہ ہے لیکن قومی تعمیر صرف سائنسدانوں اور پروفیسروں سے ہی نہیں ہوتی بلکہ مزدوروں اور پرائمری کے اساتذہ سے بھی ہوتیہ ے غرض ہر شعبہ قومی تعمیر و ترقی کے لئے ضروری ہے۔ قومی تعمیر و ترقی کے لئے افراد بھی چاہیں جو اچھے اخلاق اور اچھی عادات کے مالک ہوں۔ یہ تینوں کام عورتیں کرسکتی ہیں۔ لہٰذا عورتیں اگر افراد بھی مہیا کریں اور ان کی نگہداشت کریں، ان کی جسمانی پرورش اور اخلاقی تربیت دیں تو یہ قومی تعمیر و ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی بھی صاحب عقل ہماری بات سے اختلاف کرے گا۔

عرض قومی تعمیر و ترقی میں عورتوں کے دو اہم کام یعنی ایک با اخلاق اور مذہب افراد مہیا کرنا اور دوسرے قومی تعمیر میں جو نسبتاً فعال (Active) میں ان کو گھریلو سکون بہم پہنچا کر ان کی کارکردگی میں اضافہ کرنا یا اس کو کم از کم برقرار رکھنا اس کا تقاضا ہے کہ عورتوں کو معاش کی فکر سے آزاد رکھا جائے یہ نہیں کہ وہ یہ کام بھی کرے اور معاشی سرگرمیوں میں بھی حصہ لے

کیونکہ اس پر اس کی قوت سے زیادہ بوجھ ہے۔ اسلام نے سرگرمیوں میں بھی حصہ لے کیونکہ اس پر اس کی قوت سے زیادہ بوجھ ہے۔ اسلام نے بھی عورت کے خرچے اس کے مردوں کے ذمہ ڈالے ہیں۔ بیوی ہے تو شوہر کے ذمہ، ماں ہے تو بیٹوں کے ذمہ، کوئی اور رشتہ ہے تو بننے والے وارثوں کے ذمہ البتہ بیوی کے علاوہ اور رشتوں کی صورت میں یہ ذمہ داری صرف اس وقت ہے جب عورت کے پاس اپنا کچھ مال نہ ہو۔ اس کے علاوہ اسلام نے قوم کے افراد پر ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ کم از کم زکوۃ اور واجب صدقات قوم کے ضرورتمندوں کو دیں اور حکومت کی ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ وسائل کی پیداوار اور ان کی تقسیم ایسا نظام بنائے کہ قوم کے کسی فرد کی بھی خوراک لباس اور رہائش جیسی بنیادی ضرورتیں پوری ہونے سے نہ رہ جائیں۔

ازمنہ قدیم سے مانع حمل طریقے خصوصاً عورتوں کے استعمال کے لئے رائج ہیں لیکن ان کا علم صرف حکماء اور پیشہ ور عورتوں ہی کو تھا۔ اس راز سے غالباً دور زوال کی رومی عورتیں بھی باخبر تھیں جن کے بانجھ پن کو ہجوگیوں Satitists نے نشانہ تنقید بنایا ہے۔

ضبط ولادت کی تدابیر میں سے سب سے پہلی تدبیر جس کا علم ہوا ہے وہ دو ہزار سال قبل مسیح کا مصری Papyrus ہے۔ یہ عورت کے استعمال کے لئے ایک مرکب دوا تھی جو مگرمچھ کے فضلہ، شہد، سوڈے اور ایک گوند جیسی شے پر مشتمل تھی۔

ازمنہ وسطی میں فارسی اطباء اکتیس نسخوں سے واقف تھے۔ ان میں سے صرف نو مردوں کے استعمال کے لئے تھے۔ اٹھارویں صدی تک یورپ ان سے بالکل ناواقف تھا۔

فرانس غالباً پہلا جدید ملک تھا جس نے ان کا بڑا وسیع استعمال کیا جس کا ثبوت مالتھس کے دور میں فرانس میں آبادی کی شدید قلت کا ہونا۔

اسقاط کو بھی زمانہ دراز سے غیر مطلوبہ ولادتوں سے بچنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

موجودہ دور میں ضبط ولادت کی تحریک کی ابتداء انگلستان میں مالتھس کے ڈرانے کے بعد ہی ہوئی۔ 1832ء میں ایک امریکی Charles Knowlton نے ایک پمفلٹ ثمرات فلسفہ کے نام سے لکھا جس میں مانع حمل تدابیر کا ذکر کیا۔

تحریک چلانے والوں کا راستہ خاصا دشوار تھا اور ان کا مواد فحش و ناشائستہ قرار دیا گیا اور اکثر اوقات حکام کی جانب سے ضبط کر لیا جاتا تھا۔ 1877ء میں اینی بیسنٹ اور چارلس بریڈلا پر نولٹن کے پمفلٹ بیچنے پر مقدمہ چلایا گیا لیکن اس سے منسلکہ تشہیر کے مالتھوسین لگیک کے قائم کرنے مین مدد دی۔ 1878 میں ہالینڈ میں ضبط ولادت کلینک قائم کرنے کی کامیابی الیٹا جیکبز (Aletta jacobs) کو حاصل ہوئی۔ 1921ء میں اس جیسا ایک اور مطب Dr.M jscobs کی کوششوں سے لندن میں قائم ہوا۔

1919ء میں جب بروکلن میں مارگریٹ سینگر Margaret Sanger نے اپنا مطب کھولا تو پولیس نے اسے بند کرا دیا اومسز سیلنگر کو بیس دن کی قید کے لئے جیل بھیج دیا گیا لیکن ان رکاوٹوں سے وہ پھر بھی مایوس یا خوفزدہ نہ ہوئی اور اس نے سب سے پہلی ضبط ولادت تنظیم۔ ضبط ولادت لیگ Birth Control League کے نام سے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قائم کی۔ 1923ء میں وہ اپنا مستقل مطب کھولنے میں کامیاب ہوئی۔اس کی کوششیں بتدریج بارآور ہوئیں اور اس صدی کی تیسری دہائی میں مانع حمل تدابیر کے خلاف پابندیاں کچھ نرم کی گئیں۔ 1936ء میں ضبط ولادت کے بارے میں معلومات بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے خلاف قانون ختم کیا گیا۔عدالتی فیصلوں نے آہستہ آہستہ مانع حمل تدابیر کے خلاف ریاستی قوانین کو ختم کیا۔ فی الوقت اکثر کلیسا ضبط ولادت کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ رومن کیتھولک کلیسا اب تک سوائے Rhytnm طریقے کے اور ہر قسم کی تدبیر پر پابندی عائد کرتا ہے۔

دسمبر 1967ء میں اقوام متحدہ کی ایک Policy State وضع کی گئی اور 26 رکن اقوام میں سے تیس نے اس پر دستخط کئے جن میں سے ایک پاکستان بھی ہے۔

دنیا کی آبادی پر اعلامیہ

Declaration on world population

لیکن ایک اور بڑا مسئلہ دنیا کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ ایسا خطرہ جو اگرچہ دیکھنے میں چھوٹا ہے لیکن فوری اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ بغیر منصوبہ بندی کے آبادی میں اضافہ ہے۔

انسانیت کو گزشتہ صدی کے وسط تک ایک بلین کی آبادی بنانے میں پورے ازمنہ معلومہ درکار ہوئے لیکن دو بلین بنانے میں اس کو سو سال سے بھی کم عرصہ درکار ہوا اور تیسرے بلین کے لئے صرف تیس سال۔ اضافہ کی موجودہ شرح کے حساب سے 1975ء تک دنیا کی آبادی چار بلین اور 2000ء تک سات بلین ہو جائے گی۔ یہ بے نظیر اضافہ ایسی صورت حال سے دو چار ہے جو معاملات انسانی میں یکتا ہے۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے جو ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ مزید فوری اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے۔

یہ اعداد خود ہی غیر معمولی ہیں لیکن ان کے متضمنات اور بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ معیار زندگی کو بلند کرنے۔ تعلیم کو عام کرنے۔ صحت و صفائی کے انتظام کی اصلاح۔ بہتر رہائشی اور سفری سہولتیں مہیا کرنے۔ تمدنی اور تفریحی مواقع فراہم کرنے اور بعض مما لک میں کافی غذا کے حصول کی کوششوں کو سبوتاژ کرتا ہے۔

بطور حکومتوں کے سربراہوں کے جو کہ آبادی کے مسئلہ سے بالفعل متعلق ہیں ہم ان نکات پر یقین رکھتے ہیں:

ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر حکومتیں اپنے معاشی نصب العین کو حاصل کرنا اور اپنے عوام کی خواہشات کو پورا کرنا چاہتی ہیں تو ان کو آبادی کے مسائل کو طویل المعیاد قومی منصوبہ بندی میں ایک اہم عنصر تسلیم کرنا پڑے گا۔

ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بچوں کی تعداد اور ان کی پیدائش کے درمیان وقفہ کی تعین کرنا ایک بنیادی انسانی حق ہے۔

ہمیں وثوق ہے کہ پائیدار اور بامعنی امن کا بڑی حد تک دارومدار اس بات پر ہو گا کہ میں اضافہ آبادی کا مقابلہ کس طور پر کیا جاتا ہے۔

ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد انسانی زندگی کی بہتری ہے نہ کہ اس پر پابندی عائد کرنا اور ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی ہر شخص کو اپنی انفرادی شان کی تکمیل اور اپنی صلاحیتوں کے بھر پور اظہار کے لئے آزادی مہیا کرتی ہے۔"

ضبط ولادت کی شرعی حیثیت

ضبط ولادت کے تحت (اور ممکنہ) طریقے تین ہیں (1) قطع نسل (2) منع حمل (3) اسقاط ہم بالترتیب ان طریقوں کا ذکر اوران کی شرعی حیثیت بیان کریں گے۔

قطع نسل یا مصنوعی بانجھ پن(Etlyilyztion)

مصنوعی بانجھ پان یا تولیدی صلاحیتوں کوقطع کرنے کا عمل مرد عورت دونوں میں کیا جاتا ہے۔عورت میں اس مقصد کے لئے تین قسم کے آپریشن کئے جاتے ہیں۔

(1) رحم کو جدا کرنا......... (Llyster)

(2) رحم کی نالیوں کو بند کرنا۔(Tubal Lightion)

(3) رحم کی نالیوں کو گرہ دے کر قطع کرنا۔ (Ligation with Resection)

مرد میں معروف آپریشن Vasectomy ہے جس میں اس کے علاوہ ایک اورانتہائی صورت جو اگرچہ مستعمل نہیں ہے لیکن بالواسطہ اس سے بھی مقصد حاصل ہوتا ہے وہ اختصاء یعنی خصیتیں کو کاٹ کر جدا کرنا ہے۔(Castration)

شرعی حکم

یہ عمل خواہ مرد پر کیا جائے خواہ عورت پر ناجائز وحرام ہے الا یہ کہ کچھ امراض ایسے لاحق ہو جائیں جن کا علاج ہی صرف یہ ہو مثلاً عورت میں رسولیوں Fibroidds اور سرطان کے ابتدائی مرحلہ (Carcinoma in situ) میں تجویز شدہ علاج رحم جدا کرنا (Hystorectomy) ہے۔یا پھر عورت کوایسی بیماری لاحق ہو کہ حمل کا بوجھ اس کے لئے موت کا سبب بنتا ہو۔اس کی حرمت پر ہمارے یہ دلائل ہیں۔

ولا مرنهم فليغيرن خلق الله (الاية سورة نساء آيت 119)

تفسیر روح المعانی میں ہے عن نهجة صورة او صفة اس کی نہج کو بدلیں گے خواہ صورت کے اعتبار سے ہو خواہ صفت کے اعتبار سے اور قطع نسل کے ان تمام طریقوں میں ہمیں تغییر صوری یا تغییر صفتی نظر آتی ہے۔

اسی تفسیر میں آگے چل کر علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **ویندرج فیہ...... خصاء العبید** اوراس میں غلاموں کو خصی کرنا بھی شامل ہے۔

خصاء کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا۔

قال النووی الخصار فی آدم محظور عندعامة السلف و الخلف

اولاد آدم میں خصی کرنا تمام علماء سلف و خلف کے نزدیک ممنوع ہے اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے خضاء بنی آدم حرام بالاتفاق اولاد آدم کو خصی کرنا متفقہ طور پر حرام ہے۔

عزل یا منع حمل (Contraception)

1- خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت ایسا کرنا جائز ہے لیکن شخصی و انفرادی طور پر مثلاً

2- عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کرسکتی۔

3- کسی ایسے مقام پر ہے جہاں قیام وقرار کا امکان نہیں بلکہ خطرہ لاحق ہے۔

4- زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہیں اور علیحدگی کا قصد ہے۔

ان سب اعذار کا خلاصہ یہ ہے کہ شخصی و انفرادی طور پر کسی کو عذر پیش آجائے تو عذر کی حد تک اس طرح کا عمل بلا کراہت جائز ہوگا عذر کے دور ہوجانے کے بعد اس کے لئے بھی درست نہیں اور عام لوگوں کے لئے اجتماعی طور پر اس کی ترویج بہر حال ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

II بغیر عذر وضرورت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح عذر ختم ہوجانے کے بعد اس پر مداومت مکروہ ہے۔

ان دونوں حکموں پر دلالت کرنے والی مندرجہ ذیل روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کی ہمت افزائی نہیں فرمائی بلکہ ناپسندیدگی یا فضول ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ البتہ واضح طور پر اس عمل کی ممانعت بھی نہیں فرمائی۔

I حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی کنیزوں سے عزل کرنا چاہا (تاکہ گھر کے دوسرے کاموں میں حرج پیش نہ آئے) مگر یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ سے دریافت کئے بغیر ہم ایسا کریں۔ آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما علیکم ان لا تفعلوا ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا وھی کائنة.

(بخاری و مسلم)

اگر تم ایسا نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کیونکہ جو جان پیدا ہونے والی ہے تو وہ ضرور ہو کر رہے گی۔

2- ابو سعید خدری ﷛ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

ما من کل الماء یکون الولد واذ اراد اللہ خلق شیء لم یمنعہ شیء.

ہر نطفہ سے تو بچہ پیدا ہوتا نہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔

مطلب یہ ہے کہ جس مادہ سے کسی بچہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ضرور اپنے مستقر پر پہنچ کر حمل بنے گا۔تم کتنی ہی تدبیریں اس کے خلاف کرو کامیاب نہ ہو گے۔

3- حضرت جابر ﷛ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم اس زمانے میں عزل کرتے تھے جب کہ قرآن کا نزول جاری تھا (بخاری و مسلم)۔

گویا اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن کی آیت اس کی ممانعت پر نازل ہو جاتی جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے۔

مسلم کی ایک دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا:

4- جذابہ بنت وہب رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

ذلک الوادالخفی و ھی اذا الموودة سئلت.

یہ تو خفیہ طور پر اولاد کو زندہ در گور کر دینے کے حکم میں ہے اور آیت قرآن **اذا الموده سئلت** اس کو شامل ہے۔

یعنی اگرچہ یہ ظاہر اور حقیقت کے اعتبار سے مؤورہ نہیں مگر اسی مقصد کا ایک پوشیدہ رستہ ہے جس کے لئے لڑکیوں کو زندہ در گور کرتے تھے جب جذامہ ﷛ کی روایت کو پہلی روایتوں

کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو جذامہ کی روایت سے اس عمل کی کراہت ظاہر ہو گی جب کہ پہلی روایتوں سے اس عمل کا جواز اگرچہ ناپسندیدگی کے ساتھ ثابت ہو گا۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ عمل جائز تو ہے مگر مکروہ اور ناپسندیدہ۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو کراہٹ باقی نہ رہے گی جیسا کہ بیان ہو چکا۔

III اگر کوئی ایسی غرض یا ایسا خود ساختہ عذر ہو جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو تو یہ عمل ناجائز ہو گا مثلاً۔

I- اگر لڑکی ہو گئی تو بدنامی ہو گی۔

2- مفلسی کے وہم سے۔

جب شخصی و انفرادی طور پر اس عمل کو اختیار کرنے کا یہ حکم ہے تو اجتماعی طور پر مفلسی کے وہم سے اس عمل کو اختیار کرنا اور اختیار کرنے پر آمادہ کرنا بطریق اولی شنیع و قبیح اور ناجائز ہو گا۔

اسقاط (Abortion)

جنین کی اٹھائیس ہفتے کی عمر سے پہلے حمل کے تسلسل کو منقطع کر دینے کا نام اسقاط ہے۔

عمداً جو اسقاط کیا جائے وہ یا تو طبی بنیادوں پر ہو گا اور اس قسم کو قانونی تحفظ حاصل ہے یا غیر قانونی یعنی مجرمانہ ہو گا۔ لیکن اسقاط کی قانونی حیثیت میں پورے عالم میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور تبدیلیاں متواتر واقع ہوتی جاتی ہیں۔ چند ممالک مثلاً برطانیہ میں قانونی وسعت بہت زیادہ ہے جب کہ وہ کچھ دوسرے ممالک مثلاً رومانیہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

برطانیہ میں 1967ء کے قانون اسقاط کے مطابق اسقاط کیا۔جا سکتا ہے جب کہ۔

1- دو ڈاکٹر نیک نیتی کے ساتھ اس بات پر متفق ہوں کہ حمل جاری رکھنے میں ماں کی زندگی یا صحت کو بنسبت حمل کو قطع کرنے کے زیادہ خطرہ ہے۔

2- اس امر کی وضاحت کی گئی ہو کہ بچے کے ناقص الخلقت ہونے کے احتمالات قوی

ہیں۔

3- موجودہ زندہ بچوں کی صحت پر حمل برقرار رکھنے سے برا اثر پڑتا ہو۔ اس ضمن میں معاشرتی عوامل کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔

ان دفعات کی تشریح میں مختلف طبقات میں خاصا اختلاف ہے۔ کچھ ڈاکٹر صاحبان شماریات کی تشریح اس بات کی تائید میں لاتے ہیں کہ حمل کو ابتدائی مرحلہ میں منقطع کر دینے کی بنسبت حمل کو جاری رکھنے میں خطرات ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں۔

اسقاط کے لئے مخصوص طبی وجوہات اب بہت کم ہیں۔ 1953-1964ء کے درمیانی عرصے میں Rovinsky & Cusberg کے مشاہدات کے مطابق اسقاط کا وقوع بارہ فیصد دس ہزار ولادت طبی بنیادوں پر اٹھارہ فی دس ہار Genetic بنیادوں پر تھا Genetic بنیادوں پر اسقاط کی وجہ دوران حمل Rubella بیماری تھی جب کہ طبی بنیادوں میں امراض قلب، گروہ اور سینہ شامل تھے۔ نفسیاتی امراض کی بناء پر اسقاط کی شرح میں اضافہ ہوا اور یہ چوبیس سے چھپن فی دس ہزار تک عروج کر گئی۔

اس تمہید کے بعد اب اسقاط کی شرعی حیثیت کو لیجئے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

قال فی النهر...... هل يباح الاسقاط بعد الحمل نعم يباح. النهرا الفائق.

میں فرمایا...... کیا حمل کے قرار پا جانے کے بعد اسقاط کرانا جائز ہے۔

مالم يتخلق منه شی ولن يكون ذلك الابعد مائة و عشرين يوما وهذا يقتضی انهم اارادو ابالتخليق نفخ الروح والا فهو غلط لان التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة......

و فی كراهة الخاينة ولا اقول بالحل اذا المحرم لوكسر بيض الصيد ضمنه لاته اصل الصيد فلما كان يراخذ بالجزاء فلا اقل من ان يلحقها اثم هنا اذا اسقطت بغير عذر اه قال ابن وهبان ومن ان يلحقها اثم هنا اذا اسقطت بغير عذر اه قال ابن وهبان و من الاعذراان ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لابی الصبی مايستا جربه الظئر و يخاف هلاكه. و نقل عن الذخيرة لواادادت

الالقاء قبل معنی زمن ینفخ فی الروح هل یباح لهاذلک ام لا اختلفوافیه وکان الفقیه علی بن موسیٰ یقول انه یکره فان الماء بعد ماوقع فی الرحم مآله الحیاة فیکون له حکم الحیاة کما فی بیضة صید الحرم ونحوه فی الظهیریة قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة علی حالة العذر اوانهالا تاثم اثم القتل اه.

جواب ہے کہ ہاں جب تک کہ اس سے کچھ تخلق نہ ہوا ہو۔ اور ایسا ایک سو بیس دن سے پہلے ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ان فقہاء کی تخلیق سے مراد نفع روح ہے ورنہ دوسری صورت میں تو یہ بات غلط ہو گی کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ تخلیق اعضاء اس مدت سے پہلے ہو جاتی ہے۔ خانیہ کے باب کراہتہ میں ہے''میں اس کی حلت کا قول نہیں کرتا کیونکہ محرم اگر شکار کے انڈے توڑ دے تو اس پر ضمان آتا ہے کیونکہ انڈہ شکار کی اصل ہے۔ پس جب وہ جزاء پر ماخوذ ہوگا تو یہاں اس مسئلہ میں کم از کم اس کو گناہ تو لاحق ہو گا۔ جب کہ بغیر عذر کے اسقاط کرے ابن وہبان نے فرمایا کہ اعذار میں سے ایک عذر یہ ہے کہ حمل کے ظہور کے بعد اس کا دودھ منقطع ہو جائے اور بچے کے باپ میں کسی انا کو اجرت پر رکھنے کی استطاعت نہ ہو اور بچے کی ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو۔ ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر عورت نفخ روح کی مدت سے پہلے اسقاط کرنا چاہے تو آیا یہ اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقیہ علی بن موسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ نطفہ کا رحم میں واقع ہونے کے بعد مآل وانجام حیات ہے۔ پس اس کے لئے بھی حیات کا حکم ہوگا جیسا کہ حرم کے شکار کا انڈہ۔ اس طرح کا قول ظہیر یہ میں ہے۔ ابن وہبان نے فرمایا پس اسقاط کی اباحت یا تو حالت عذر پر محمول ہے یا اس بات پر محمول ہے کہ عورت کو قتل کا گناہ نہیں ہو گا۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نفخ روح کی مدت کے بعد جو کہ ایک سو بیت دن ہیں اسقاط بالکل حرام ہے اور اس کا مرتکب قتل کا مرتکب شمار ہوگا۔ اس مدت سے پیشتر یہ فعل بغیر کسی عذر کے مکروہ ہے اگرچہ اس کا مرتکب قتل نفس میں ماخوذ نہ ہوگا اور اگر کسی عذر سے ہو جیسا کہ طبی اعذار ہوں یا جیسا کہ ابن وہبان رحمہ اللہ نے عذر کی مثال پیش کی ہے تو مکروہ نہ ہوگا۔ اور جیسا کہ عزل کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا یہ ضروری ہے کہ ایسے اعذار او اعراض

نہ ہوں جو شرعی اصولوں سے ٹکر کھاتے ہوں۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسقاط کرانے میں کچھ پیچیدگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو کہ اگر کسی ماہر فن سے کرایا جائے تو نسبتاً بہت کم ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے اس عمل سے گزرنے والی تقریباً ہر عورت پر ایک نفسیاتی الجھن سوار ہو جاتی ہے۔ خواہ اسقاط خود بخود ہو گیا ہو یا عمداً کرایا گیا ہو ایک مرتبہ ہوا ہو یا بار بار ہوتا ہو۔ اگر اولاد کی انتہائی تمنا تھی تب تو عمیق مایوسی ظاہر ہے۔ لیکن اگر معتد بہ تعداد میں خاندان موجود ہو تو اگرچہ مایوسی اتنی نمایاں نہیں ہوتی پھر بھی بنیادی نسوانی کردار ادا کرنے میں ناکامی کے احساس سے بے چینی عورت کو گھیر لیتی ہے اور جب اسقاط عمداً کرایا گیا ہو تو احساس جرم عام طور پر پایا جاتا ہے اور یہ احساس ان حالات میں مزید شدید ہو جاتا ہے جب کہ آئندہ حمل کے قرار میں دشواری پیدا ہو رہی ہو۔

(Integrated Obwtetrics & Gynecology for postgraduates by C.G. Dawhurst. 1976)